تصوف وسلوک میں مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی خدمات کا تحقیقی جائزہ

A Research Review of Moalana KhalilAhmad Saharanpuri's Services in Sufism

Muhammad Sanaullah
Teacher Jamia Zakaria Battagram
Email: Sanahazarwi992@gmail.com
Muhammad Waliullah
Nazim Jamia Zakaria Battagram
Email: walimadani90@gmail.com
Dr Muhammad Inamullah
Lecturer Islamic Studies
Abbottabad University of Science & Technology Abbottabad
Email: inam@aust.edu.pk

Abstract

Moalana KhalilAhmad Saharanpuri was a great muhaddith , commentator and jurist of the Indian sub-continent,as well as a high ranking and great Suf, but he is generally recognized as a Muhaddith,an aspect of his life that most people are unaware of.Due to the need to write on this aspect of his life so that people can know him in this capacity. This paper attempts to highlight the services of Mulana Khalil Ahmad Saharanpuri as a Sufi.

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کا شمار ہندوستان کے بڑے نامور محدثین میں تھے، آپؒ حضرت مولانا مملوک علی نانوتویؒ کے نواسے جبکہ دارالعلوم دیوبند کے پہلے صدر مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کے بھانجے تھے۔ آپؒ بیک وقت ایک عظیم محدث، مفسر اور فقیہ تھے، جہاں آپؒ نے علم حدیث وفقہ میں عظیم کتابیں لکھیں ہیں وہاں تصوف وسلوک بھی عظیم الشان خدمات سر انجام دی ہیں، لیکن عام طور پر اہل علم آپ سے بحیثیت محدث وفقیہ واقف ہے، ضرورت اس بات کی تھی کہ سلوک وتصوف میں بھی آپؒ کی خدمات کو اجاگر کیا جائے جس کی اس مقالے میں کوشش کی گئی ہے۔

ولادت اور حالات زندگی:

آپؒ کی ولادت 1399ھ صفر کے آخر بمطابق 1852ء اپنے ننہال قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور میں ہوئی، آپؒ کے مختلف نام رکھے گئے جن میں ایک نام ظہیر الدین دوسرا نام خلیل احمد رکھا گیا اور یہی نام مشہور و معروف ہوا[1]، اور چونکہ آپ کا بھائی نوزائیدہ دنیا سے رخصت ہوا تھا اس لئے تفاءل کے درجہ میں اللہ رکھا بھی آپ کا نام پڑا۔ کنبہ کی بوڑھی عورتیں بچپن میں اسی نام سے آپ کو پکارتی تھیں، نیز چونکہ شروع سے آپ

خوبصورت تھے جیسے گلاب کا پھول اس لئے بعض عزیزوں نے آپ کا نام موتی رکھا اور اسی نام سے آپ کو پکارنا ان کو پیارا معلوم ہوتا تھا[2]"۔

آپ کے والد گرامی کا نام شاہ مجید علی انصاری تھا، آپ کا سلسلہ مشہور صحابی رسول حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتا ہے، آپ کا جدی نسب نامہ بیان کرتے ہوئے مولانا عاشق الٰہی میرٹھی فرماتے ہیں:

"حضرت قدس سرہ کا جدی سلسلۃ الانساب جس کو حضرت کے چچازاد بھائی مولانا صدیق احمدؒ کے صاحبزادہ مولانا فاروق احمد صاحب سلمہ ربہ شیخ الحدیث ریاست بہاولپور نے تحریر فرما کر بھیجا اور حضرت کے نواس داماد مولوی مسعود علی صاحب مدرس مظاہر علوم نے رسالۃ المظاہر میں درج کیا ہے اس طرح ہے:

مولانا شاہ خلیل احمد بن شاہ مجید علی بن شاہ احمد علی بن شاہ قطب علی بن شاہ غلام محمد بن شرف الدین خان بن غلام محی الدین بن عبدالرشید بن محمد فضیل بن نظام الدین بن امن الدین عرف قاضی امن بن خواجہ فرید الدین بن خواجہ محمد فاضل بن خواجہ ہاشم خواجہ علاؤالدین بن خواجہ رکن الدین بن خواجہ اشرف الدین بن خواجہ تاج الدین بن خواجہ منہاج الدین بن خواجہ ہاشم بزرگ بن خواجہ ابی اسماعیل عبداللہ انصاری بن خواجہ ابی منصور محمد بن علی بن محمد بن احمد بن علی بن جعفر بن ابی منصور مست بن ابی ایوب خالد الخزرجی الانصاری صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ قسطنطینہ کی جنگ میں شہید اور وہیں مدفون ہوئے[3]"۔

آپ کا اصلی وطن انبہٹہ تھا جو ضلع سہارنپور کا مشہور قصبہ ہے، جس کا محل وقوع اور وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"سہارنپور سے سولہ میل بجانب جنوب شرفاء کی ایک قدیم بستی ہے جس کو بزمانہ فیروز تغلق بادشاہ 774ھ میں سپہ سالار فوج سعد اللہ بیگ نے آباد کیا اور فیروز آباد نام رکھ کر فوجی کیمپ قرار دیا تھا، کچھ مدت کے بعد اس قصبہ کی شہرت انبہٹہ کے نام ھی ھوگئی جس کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے کہ بعض کہتے ہیں اس زمین کی صلاحیت اور زراعت وغلہ جات کی کثرت پیداوار کے سبب اس کا نام انبہٹہ ہوا کہ ان غلہ کو کہتے ہیں، یا چونکہ انبہ اس جگہ بکثرت ہوتا تھا اس لئے انبہ ہٹہ یعنی انبہ کی آرٹ اور منڈی بن کر انبہٹہ کہلانے لگا، بہر حال اس سرزمین کو عربی النسل خاندانوں کی بود وباش کا فخر حاصل ہوا کہ صدیقی وفاروقی وایوبی شیوخ اس میں آباد ہوئے[4]"

تعلیم:

پانچ سال کی عمر میں نانا بزرگ نے دینی تعلیم کی ابتداء کرائی، قرآن شریف گاؤں ہی میں پڑھا، اردو فارسی کی تعلیم انبہٹہ اور نانوتہ میں حاصل کی، تذکرۃ الخلیل میں ہے:

"حضرتؒ نے قرآن مجید اور ابتدائی کتب اردو فارسی کی تعلیم انبہٹہ اور نانوتہ میں مختلف اساتذہ سے پائی، آپ کی والدہ جہاں جاتیں آپ ان کے ساتھ ہوتے اور وہیں کسی مکتب میں سلسلہ تعلیم شروع فرمادیتے کہ وقت ضائع نہ ہو[5]"۔

عربی تعلیم کا آغاز اپنے چچا مولوی انصار علی سے کیا اور کچھ کتابیں اپنے گاؤں کے مشہور عالم مولوی سخاوت علی سے پڑھی[6]،اس کے بعد آپ کو انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے لیے سرکاری سکول میں داخل کر دیا گیا[7]، کیونکہ آپ کے والد ماجد شاہ مجید علی ساحب جن کی عمر کا اکثر حصہ ریاستوں کی ملازمت میں باہر ہی گزرا تھا ملازمت ترک فرما کر وطن تشریف لائے اور مستقل قیام فرمایا تو حضرت کو گوالیار سے وطن واپس بلالیا، اس سلسلے میں مولانا عاشق الٰہی صاحب لکھتے ہیں:

"آخر (گوالیار سے واپسی کے بعد) بعض اعزہ کی رائے ہوئی کہ اس عمر ضائع کرنے سے کیا حاصل، ان کو سرکاری مدرسہ میں داخل کر دیا جائے کہ انگریزی پڑھ لیں، چنانچہ آپ اور آپ کے چچازاد بھائی مولانا صدیق احمد صاحب قصبہ کے انگریزی سکول میں داخل ہوگئے جس کا ماسٹر ہندو تھا اور کافیہ تک نحوی استعداد ہونے کی وجہ سے چھ ماہ میں دونوں صاحبوں نے اتنی انگریزی پڑھ لی کہ دو سال سے پڑھنے والی جماعت کا مقابلہ کرنے لگے، اور گرائمر یعنی انگریزی ترکیب پر تو اتنے قادر تھے کہ ماسٹر حیران ہوتا اور کہا کرتا تھا کہ تم ایسی جلد اور صحیح ترکیب کرتے ہو کہ میں بھی نہیں کر سکتا، مولانا صدیق احمد نے جواب دیا کہ ہم نے عربی میں شرح جامی پڑھی ہے اور اس لئے ترکیب نحوی کسی زبان کی بھی ہو ہمیں دشوار نہیں[8]"۔

اسی زمانہ میں دارالعلوم دیوبند قائم ہوا تھا، آپ کا ماموں حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس تھے، اس لیے آپ کو 1285ھ میں دارالعلوم دیوبند میں داخل کر دیا گیا، اس وقت آپ کافیہ پڑھ تے تھے، دارالعلوم میں شرح تہذیب وغیرہ کتابیں پڑھ رہے تھے کہ اس دوران مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کا قیام عمل میں آیا، آپ سہارنپور چلے گئے، جس کی تفصیل تذکرۃ الخلیل میں کچھ یوں ہے:

"دارالعلوم دیوبند سے چھ مہینے بعد رجب 1283ھ میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کا افتتاح ہوا اور مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی کے وہ بھی قریبی رشتہ سے حضرت کے ماموں ہوتے تھے یہاں صدر مدرس تجویز ہوئے، ہرچند کہ دیوبند میں تعلیم کے بہترین نظم کے ساتھ حقیقی ماموں کی شفقت مادری شفقت کا لطف دے رہی تھی مگر قدرت کو منظور تھا کہ جس نونہال کے ہاتھوں مظاہر علوم کو حیرت بخش ترقی ہونے والی مقدر ہے وہ اسی

مدرسہ کا خوشہ چیں و مرہون احسان بنے، اس لئے دیوبند سے آپ کا دل گھبرایا اور آپ سہارنپوری چلے آئے[9]"۔

مولانا سہارنپوریؒ خود فرماتے ہیں کہ:

"مولانا محمد یعقوب صاحب سے بہ نسبت مولانا محمد مظہر صاحب کے اگرچہ زیادہ قریبی تعلق قرابت تھا لیکن پھر بھی خدا جانے دیوبند میں کیوں دل نہ لگا جس وقت میں یہاں پہنچا ہوں بس اس طرح مانوس ہو گیا کہ گویا ہمیشہ سے یہیں رہتا تھا"[10]۔

وہاں تفسیر، حدیث، فقہ اور عقائد و کلام وغیرہ کی علم حاصل کرنے کے بعد 1289ھ کو دارالعلوم میں آکر منطق و فلسفہ اور ادب و تاریخ کی اعلیٰ کتابیں پڑھ کر تعلیم سے فراغت حاصل کی، تعلیم ہی کے دوران ایک سال میں قرآن شریف حفظ کر کے رمضان میں سنائی۔

حدیث کی تعلیم:

تمام علوم عقلیہ و نقلیہ میں کمال حاصل کرنے کے بعد علم حدیث کی تکمیل کے لئے دوبارہ دارالعلوم دیوبند 1289ھ میں واپس آگئے اور علم حدیث کی تکمیل کی، مولانا میرٹھیؒ فرماتے ہیں:

"مدرسہ کی روداد قدیمہ سے پتہ چلتا ہے کہ حدیث کی پہلی کتاب مشکوٰۃ شریف حضرت نے 85ھ میں پڑھی اور امتحان سالانہ میں اعلیٰ نمبر حاصل کر کے مختصر معانی و شرح عقائد انعام میں پائی، 1286ھ میں بخاری وہدایہ اخرین میں امتحان دیا اور جامع ترمذی انعام میں ملی[11]"۔

البتہ ابوداؤد شریف آپ نے دورہ حدیث سال نہیں پڑھی تھی، چنانچہ بذل المجہود لکھتے وقت ترجمۃ المؤلف مولانا محمد زکریا صاحب کے استفسار پر آپؒ نے خود فرمایا کہ ابوداؤد شریف میں نے دورہ حدیث کے ساتھ نہیں پڑھی بلکہ اپنی ملازمت کے زمانے میں پڑھی ہے، میں جہاں کہیں بھی ملازمت پر ہوتا رمضان میں مکان پر چلا آتا اور میرے حضرت بھی رمضان المبارک ان ایام میں اپنی سسرال قصبہ لکھنوتی میں گزارا کرتے تھے، ایک سال میں نے بھی رمضان وہیں گزارا اور ابوداؤد شریف پڑھی، سال تو مجھے یاد نہیں لیکن تعلیم سے فارغ ہو کر میں ملازم ہو چکا تھا۔

اسناد حدیث:

آپ کی پہلی سند بانی مظاہر العلوم مولانا محمد مظہر صاحب ہے جن سے آپ نے دورہ حدیث کے سال پڑھا تھا، اور ان کی سند مندرجہ ذیل ہیں۔

" مظاہر علوم حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نے بخاری شریف حضرت اقدس مولانا شاہ اسحاق صاحب مہاجر رحمۃ اللہ علیہ سے بھی پڑھی ہے، اور شاہ صاحب اعلیٰ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی کے مشہور شاگرد ہیں، اسی طرح پر حضرت کا سلسلہ سند صرف دو واسطوں سے حضرت شاہ عبد العزیز صاحب قدس سرہ کے ساتھ جا ملتا ہے "[12]

2۔ دوسری سند آپ کی مولانا عبد القیوم بڈھانویؒ سے ہے، جبکہ آپؒ 1393ھ میں بھوپال میں مدرس تھے، جس کے بارے میں مولانا عاشق الٰہی صاحب لکھتے ہیں:

" مولانا عبد القیوم بڈھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھوپال میں مدرسی پر فائز تھے تو حضرت بڈھانوی سے جو کہ حضرت مولانا شاہ اسحاق صاحب کے ارشد تلامذہ ہونے کے علاوہ داماد بھی تھے دوبارہ بخاری شریف، شمائل ترمذی اور کچھ حصہ مسلم شریف کا و نیز مسلسلات حجۃ اللہ شاہ ولی اللہ و نوادر اور در ثمین پڑھ کر جملہ احادیث کیا جازت اور سند حاصل کی "[13]

3۔ تیسری سند آپ کو حرمین شریفین کی پہلی حاضری کے موقع پر مکہ مکرمہ میں شیخ المشائخ احمد دحلانؒ مفتی اعظم شافعیہ نے عنایت فرمائی۔

4۔ چوتھی سند آپ کو محدث دار الہجرۃ الشاہ عبد الغنی نقشبندی مجددیؒ نے عطا فرمائی، جبکہ آپ نے مدینہ منورہ حاضری کے مقام پر جملہ کتب حدیث کے اوائل سنا کر اجازت حاصل کی۔

مندرجہ بالا اسناد کے علاوہ مدینہ منورہ کے دو مشہور محدثین سے بھی اپ کو اجازت حاصل ہے، ان میں سے ایک کا نام شیخ اسماعیل بن ادریس الرومی ہے جو کہ مقدونیہ کے مشہور محدث تھے، خود اپنی خوشی سے آپ کو صحاح ستہ کی اجازت کلیہ عطا کی۔

دوسرے محدث مولانا سید احمد البرزنجی تھے جو شوافع کے مفتی اعظم تھے، انہوں نے آپ کو 1323ھ میں مدینہ منورہ حاضری کے موقع پر جملہ کتب حدیث کی اجازت عطا فرمائی تھی۔ اس کے علاوہ مولانا عاشق الٰہی صاحب، مولانا ظفر احمد عثمانی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ آپ کو دمشق کے مشہور محدث شیخ بدر الدین نے بھی اجازت عطا فرمائی تھی[14]۔ 1288ھ میں آپ تمام علوم متداولہ سے فارغ ہوگئے، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی صاحب لکھتے ہیں:

"1288 مطابق 1871ء جبکہ آپ کی عمر انیس سال تھی آپ کے تعلیم دینیات سے فراغ کا سال ہے جس کی خوشی میں آپ کے والد شاہ مجید علی صاحب نے تمام برادری کو اس طرح مدعو کیا جیسے تقریبات شادی و نکاح میں پکا جاتا ہے اور بڑی فراخ دلی سے سب کو کھانا کھلایا[15]۔ "

درس وتدریس:

1289ھ میں آپ تمام علوم متداولہ سے فارغ ہوگئے اور مختلف مقامات پر تدریس کرنے کے بعد مظاہر العلوم میں مدرس ہوگئے، مولانا حکیم محمد اسلام انصاری لکھتے ہیں:

"آپ نے فراغت کے بعد بھوپال سکندر آباد بھاولپور، بریلی، دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور میں تشنگان علوم نبویہ کو سیراب فرمایا، آخر میں دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت نائب صدر مدرس بلائے گئے، پھر کچھ دنوں بعد سہارنپور میں مظاہر علوم میں منتقل ہوگئے اور عرصہ تک اسی سے وابستہ رہے[16]"۔

تذکرۃ الخلیل میں مولانا میرٹھی صاحب نے لکھا ہے:

"اور آخر کار 1314ھ میں جبکہ آپ کی عمر پینتالیس سال کی تھی چالیس روپے مشاہرہ پر صدر مدرس ہو کر مظاہر علوم سہارنپور تشریف لے آئے جس میں آپ نے پڑھا اور علمی نشوونما پایا تھا، دلدادہ باغبان بن کر اپنے استاذ مولانا محمد مظہر صاحب کے لگائے ہوئے اس باغیچہ کو جس شیفتگی وعشق کے ساتھ آپ نے سینچا اور پانی پہنچایا ہے اس کا اظہار آج خود مدرسہ کی زبان حال کررہی ہے۔

بخدا کہ رشکم آید زدو چشم روشن خود کہ نظر دریغ باشد بچنیں لطیف روئے[17]

سلوک وتزکیہ

جب آپ تمام علوم عقلیہ ونقلیہ سے فارغ ہو کر مسند تدریس پر بیٹھ گئے تو آپ کو معرفت الٰہیہ حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو کسی کامل شیخ کے سپرد کرنے کی فکر دامن گیر ہوئی، کیونکہ علوم شرعیہ کا حصول نجات اخروی کے لئے بمنزلہ شرط اور رکن اعظم ہیں مگر اس کے ساتھ ہی جب تک قلب میں آخرت کا یقین اور اس کی لذتوں کے حاصل کرنے کا شوق نہ ہو تو اس وقت تک اس علم پر بطیب خاطر عمل کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ چونکہ قدرت نے آپ کے نصیب میں ولایت خاصہ اور شیخ وقت ہونا لکھا تھا، تو منگلور میں تدریس کے دوران اس نور کی طلب آپ کے قلب میں پیدا ہوئی جو حرص وہوا کی ظلمت کو مٹانے اور وہ حلاوت ایمان میں ڈال دے جس کے حصول کا علم ظاہری آلہ اور وسیلہ ہے، چنانچہ اس مقصد کے لئے آپ کی نظر منبع البرکات حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ پر پڑی جو اس زمانے میں قطب الارشاد تھے چنانچہ آپؒ نے حضرت گنگوہیؒ کے دروازے کا قصد کیا، مولانا عاشق الٰہی صاحب لکھتے ہیں:

" چنانچہ آپ نے اپنے ماموں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کو کہ حضرت گنگوہی کے استادزادہ تھے اور حضرت ان کا بہت ہی لحاظ فرماتے تھے اس مقصود کا واسطہ بنایا اور لکھا کہ حضرت گنگوہی سے میری سفارش فرما

دیجئے کہ مجھے بیعت کرلیں، مولانا نے امام ربانی کے نام خط تحریر فرما کر حضرتؒ کے پاس بھیج دیا اور وہ خط لے کر آپ گنگوہ حاضر ہوئے[18]"

حضرت گنگوہیؒ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ بیعت کے لئے آنے والوں کا امتحان لیا کرتے تھے کہ طلب صادق ہے کہ نہیں، صرف بیعت کا نام مقصود ہے یا کام بھی، کیونکہ حضرت کے نزدیک جب تک طالب کے قلب میں سچی طلب نہ ہو اس وقت تک رسمی بیعت بے سود ہے، لہٰذا جب آپ نے اپنے ماموں مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کا خط دیا جو کہ حضرت گنگوہیؒ کے پیر زادے تھے، تو انہوں نے آپ کا بھی امتحان لیا، تذکرۃ الخلیل میں ہے:

"کہ حضرت گنگوہیؒ استاذ زادہ کا خط پڑھ کر اس طرح رکھ دیا گویا کوئی چیز ہی نہیں اور استغنا کے ساتھ فرمایا کہ میاں تم پیر زادہ خود پیر ہو تمہیں کسی کی مرید ہونے کی کیا ضرورت؟ مگر اللہ رے خلیل کی قابلیت کہ یہ سن کر انکھوں میں آنسو بھر لائے اور عرض کیا کہ "حضرت کیسی پیر زادگی میں تو اس دربار کے کتوں کے برابر بھی نہیں، بیعت کا حاجت مند ہی نہیں بلکہ سر تا پا احتیاج ہوں اور چھاتی سے لگائے یا دھکے دیجئے میں تو حضرت کا غلام بن چکا ہوں"۔

یہ الفاظ آپ کی زبان سے نکلنے تھے اور حضرت کے چہرے پر انبساط کی لہر دوڑنی تھی کہ آپ نے فرمایا بس بس بہت اچھا اور اس کے بعد فوراً بیعت کرلیا

طلبگار باید صبور و حمول کہ نشنیدہ ام کیمیا گر ملول[19]"

منازل سلوک طے کرنے سے متعلق تذکرۃ الخلیل میں دوسری جگہ لکھا ہے:

"ان یہ کون کہہ سکتا ہے کہ آپ نے کس ترتیب سے سلوک طے کیا، شیخ کی طرف سے کیا کیا تعلیم ہوئی، کیا حالات گزرے اور راہِ طریقت قطع کرنے میں کیا کیا مناظر آپ کو پیش آئے بجز اس کے کہ حضرت نے ایک بار خود فرمایا "مجھے زیادہ واردات پیش آئے اور نہ آخر تک میں سمجھا کہ نسبتِ سلسلہ کیا چیز ہے بس ایک حالت تھی جو گزر رہی تھی[20]"

چنانچہ آپؒ نے بہت تیزی سے منازل سلوک طے کیے 1297ھ میں جب آپ حج کے لئے جا رہے تھے، حضرت گنگوہی نے اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی خدمت میں ایک خط لکھا کہ:

"مولوی خلیل احمد حاضر خدمت ہوتے ہیں حضرت ان کی حالت پر مطلع ہو کر مسرور ہوں گے[21]"۔

چنانچہ خدمت اقدس میں پہنچ کر ہی آپ نے وہ والا نامہ حضرت حاجیؒ کی خدمت میں پیش کیا اور باطنی کیفیات اور برکات سمیٹتے رہے حتیٰ کہ خلافت کے مستحق ٹھہر گئے، مولانا میرٹھی صاحبؒ فرماتے ہیں:

"اعلیٰ حضرت (حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ) آپ کی باطنی کیفیت مشاہدہ فرما کر نہایت خوش ہوئے اور جب آپ رخصت ہونے لگے تو چھاتی سے لگایا اور اپنی دستار مبا کسر سے اتار کر آپ کے سر پر رکھ دی، امام ربانی کے نام مبارک باد کا خط اور حضرت کے نام کا خلافت نامہ مزین بمہر آپ کے حوالہ فرما کر رخصت کیا، حضرت نے اسی شاہی عطیہ کو ایک خاص اہتمام کے ساتھ قبول کیا اور دستار مبارک کو اسی بندش پر جو اعلیٰ حضرت کی باندھی ہوئی تھی جگہ جگہ سوئی سے سی لیا کہ اس کے بل جدا نہ ہونے پائیں۔[22]

ھندوستان واپسی کے بعد آپ نے حضرت گنگوہی کی خدمت میں حاضری دی اور حضرت حاجی صاحب کا والا نامہ پیش کیا حضرت بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

"مبارک ہو یہ تو اعلیٰ حضرت کا عطیہ ہے، آپ نے عرض کیا کہ بندہ تو اس لائق نہیں یہ حضور کی بندہ نوازی ہے اور میرے لئے تو وہی مبارک ہے جو آنحضرت کی طرف سے عطا ہو، نیز یہ بھی عرض کیا کہ اجازت نامہ درحقیقت شہادت ہے کسی مسلمان کے ایمان کی، لہٰذا دو مقبول شہادتیں ثبت ہوں گی تو ہر شخص ے کے نفسی نفسی پکارنے کے وقت بارگاہِ خدا میں پیش کر سکوں گا۔" حضرت امام ربانی آپ کے اس حسن ادب سے کہ اصل کمال یہی ہے بہت خوش ہوئے اور خلافت نامہ پر دستخط فرما کر مع دستار آپ کے حوالہ فرما دیا"[23]۔

چنانچہ ان دونوں حضرات کی طرف سے خلافت ملنے کے بعد علوم ظاہریہ کی طرح علوم باطنیہ میں بھی آپ کی تکمیل ہوگئی اور مسند تدریس کی طرح مسند رشد وھدایت پر بھی جلوہ افروز ہوگئے۔

آپؒ پر حق تعالیٰ شانہ کا خاص فضل تھا کہ بیعت کے بعد آپؒ کے دل میں حضرت گنگوہیؒ سے وہ محبت پیدا ہو گئی تھی کہ جس کو دنیا کی بڑی سی بڑی چیز بلکہ ماں باپ کیب محبت کے ساتھ بھی مقابلہ نہیں کیا جاسکتا، اور یہی محبت مرقاۃ حب الٰہی کی پہلی سیڑھی تھی کہ اس کے بغیر منتہائے مراد کا حصول ناممکن ہے، بیعت کے بعد آپ کی ملازمت کا جہاں بھی ہوا حضرت کے مشورہ سے ہوا اور جہاں بھی آپ جتنی مدت رہے حضرت ہی کے حکم سے رہے کہ بیمار پڑے اور آب وہوا ناموافق ہوئی تو روحانی باپ کو اطلاع ضرور دی مگر یہ وسوسہ بھی نہ ہوا کہ صریح حکم رضا آئے بغیر ترک ملازمت کا نام لیں، اسی طرح جب حضرت کے حکم مشورہ سے کسی جگہ سے علیحدگی ہوئی تو کبھی خطرہ بھی نہیں گزرا کہ ترک کی وجہ دوسروں کو کیا بتاؤں گا۔

چنانچہ تذکرۃ الخلیل میں لکھاہے کہ:

بھاولپور میں آپ کو طرح طرح کی تنگیاں پیش آئیں مگر آپ نے جبراً وقہراً نہیں بلکہ طبع کے خلاف کو رضائے شیخ کی حلاوت سے موافق طبع بنا کر پورے گیارہ برس وہاں گزاریں اور ترک ملازمت کا نام نہ لیا، اسی طرح جس

وقت آپ کو حکم پہنچا کہ دیوبند چھوڑ کر مظاہر علوم سہارنپور چلے آؤ تو سب ہی کو حیرت تھی مگر آپ اتنی خوشی سے آئے جیسے مسافر اپنے گھر آتا ہے۔

یہ ربطِ قلب اور عظمت و محبت شیخ کی وہ وہبی عطا تھی جس نے معیت کو مجانست تامہ پیدا کر کے اسی مخصوص نسبت سے آپ کو مالا مال کیا جو قدرت نے حضرت امام ربانی قدس سرہ کو نصیب فرمائی تھی"[24]۔

اور اصل مریدی یہی ہے کہ بندہ اپنی مرضی کو شیخ کی مرضی پر قربان کر دے، آپؒ نے اسی پر صحیح عمل کر کے دکھایا، حضرت گنگوہیؒ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ:

"مرید بابِ افعال سے ہے جس کی ایک خاصیت سلب مادہ اشتقاق ہے لہٰذا مرید کی معنی ہے مسلوب الارادہ یعنی جو ہر امر میں باگ اپنے شیخ دے کر ذاتی ارادہ سے خالی ہو چکا ہو، حضرت بیعت ہو کر اس مضمون کا حق ادا کر دیا"[25]۔

اسی طرح حضرت گنگوہیؒ سے تعلق کے بعد امور دینیہ میں مستقل حضرت کے ساتھ رابطے میں رہتے، جہاں کہیں اشکال پیش آتا حضرت کے نام عریضہ لکھتے اور حضرت گنگوہیؒ انتہائی محبت سے جواب دیتے تھے۔

امور دینیہ کے دو جزء ہے۔

1۔ شریعت 2۔ طریقت

شریعت کے اندر چونکہ آپ کو طبعاً فقہ و حدیث سے زیادہ مناسبت تھی اور اسی کی تدریس میں آپ کو لطف آتا، اسی لئے ہدایہ کی تدریس کے دوران آپ شبہات پر شبہات حضرت گنگوہیؒ کو ارسال کرتے، اور حضرت کی طرف سے جواب پر جواب آتے، جس کی تفصیل حضرت گنگوہیؒ کی سوانح تذکرۃ الرشید[26] میں موجود ہے۔

حدیث کے متعلق اشکالات بھی بے تکلفی کے ساتھ حضرت سے پوچھتے اور حضرت کافی وشافی جوابات عنایت فرماتے۔

اسی طرح طریقت کے باب میں بھی ہر بات بلا تکلف حضرت گنگوہیؒ سے پوچھتے اور حضرت ایسا جواب عنایت فرماتے کہ متعلقین کے سارے اشکالات رفع ہو جاتے۔

بطور نمونہ تذکرۃ الخلیل سے حضرت گنگوہیؒ کے تین خطوط اختیار کے ساتھ پیش کرتا ہوں، جو حضرت نے آپ کے سوالات کے جوابات میں لکھے تھے۔

1۔ مولوی خلیل احمد صاحب مد شوقکم الیٰ اصلہ۔

بعد سلام مسنون۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اپنی طرف سے سعی کرتے رہنا کام بندہ کا ہے اور ثمرات و مواہب عطا فرمانا اختیار مولیٰ تعالیٰ شانہ ہے کسی کے اختیار میں نہیں، ذکر پختہ کرنے میں ساعی رہو اور نور منبسط جو محسوس ہو

اس کو بغور ملاحظہ رکھنا چاہئے یہاں تک کہ جملہ اشیاء میں ساری معلوم ہونے لگے دفع کرنا نہیں چاہئے، فقط[27]

2۔ عنایت فرمایم مولوی خلیل احمد صاحب دام مجد ہم۔

بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایند بخیریت ہوں، آپ کا خط آیا معلوم ہوا، آثار ذکر مبارک ہوں اور حق تعالیٰ ترقی عطا فرمائے، مقصود ذکر سے حضور مسمی ہے جس قدر حضور ہو بہتر ہے اور ذکر قلبی وہ ہے کہ بدون لفظ اسم ذات کے ولد کی طرف دھیان ہوتا ہے، فرق اتنا ہے کہ ولد میں صورت بھی غالب اوقات مد نظر ہوتی ہے اور یہاں چونکہ شکل وصورت سے براءت ہے لہٰذا نفس مسمی کا خیال ہے، اس خیال میں اگر کوئی وضع وشکل مد نظر قلب ہو لاحول سے دفع کرنا چاہئے کہ ذات حق تعالیٰ نفس وجود ہے نہ قیودِ زائد دور بینان بار گاہِ الست غیر ازیں پہ نبردہ اند کہ ہست[28]

3۔ مولوی خلیل احمد صاحب، السلام علیکم، آپ کا خط آیا حال معلوم ہوا۔ یہاں سب طرح خیریت وشکر ہے، تفرقہ یہ ہے آدمی جس کام میں مشغول ہووے کوئی شے آکر اس شغل سے غافل کر دیوے دوسری شے میں مشغول بنا دیوے، جیسا ابتداء میں ایسا ہوتا ہے کہ جب ذکر شروع ہوتا ہے گاہ حضورِ خلاف ذکر، اور خطرہ یہ کہ دوسری شے کا خیال اگر آوے تو اصل شغل کی طرف سے غفلت نہ ہووے، جیسا مثلاً آدمی اپنے وجود کو جانتا ہے اور باوجود اس علم کے علوم وخطرات دیگر اشیاء کے بھی دل میں اور نظر میں آتے ہیں مگر اصل علم خود زائل نہیں ہوتا[29]۔

خلفاء:

حضرت گنگوہیؒ کے بعد آپ ہندوستان علم حدیث کی طرح سلوک وطریقت میں بھی مرجع الخلائق تھے، عوام کے علاوہ بڑے بڑے اہل علم آپ کے حلقہ ارادت سے وابستہ تھے، اور جن حضرات کو آپؒ کے فیض تربیت نے اقتضائے مراتب پر پہنچایا ان کے اسماء گرامی مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے تاریخ مشائخ چشت میں مندرجہ ذیل فرمائے ہیں۔

1۔ حضرت مولانا محمد یحیٰ صاحب کاندھلوی۔

2۔ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی

3۔ حضرت حافظ قمر الدین صاحب امام جامع مسجد بہاولپور

4۔ مولانا عبد اللہ صاحب گنگوہی (مصنف تیسر المبتدی وتیسر المنطق)

5۔ سلسلہ نقشبندیہ میں الحاج محمد حسین صاحب حبشی

6۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ بانی جماعت تبلیغ دہلی

7۔ جناب حافظ فخر الدین صاحب ریلوے ملازم غازی آباد

8۔ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی، حال شیخ الاسلام پاکستان،

9۔ مولانا حافظ فیض الحسن صاحب گنگوہی

10۔ حضرت مولانا عاشق الہی میرٹھی

11۔ مولانا رشید احمد صاحب مدرس انجمن ہدایۃ الرشید قصبہ گروٹ

خود حضرت شیخ الحدیث بھی آپؒ کے خصوصی خلفاء میں سے تھے اور سلسلہ چشتیہ، صابریہ، خلیلیہ ان کے واسطے سے پوری دنیا میں خوب پھیلا اور 117 کے قریب خلفاء ہیں، لیکن کسرِ نفسی کی وجہ سے حضرت شیخ نے اپنا نام نہیں لکھا، حضرت شیخ کی خلافت کا تفصیلی قصہ اگلے باب میں ان کے حالاتِ زندگی میں آنے والا ہے۔

خلاصہ:

خلاصہ یہ ہے کہ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ جہاں عظیم مفسر، محدث اور فقیہ تھے وہاں سلوک وتصوف میں بھی آپ کا عالی مقام تھا، جہاں آپؒ نے بذل المجھود فی حل ابی داؤد جیسی عظیم الشان کتابیں لکھی ہیں وہاں تصوف وسولک میں بھی پیچھے نہیں رہے، جہاں درس وتدریس کے میدان میں بڑے بڑے شاگرد تیار کیے ہیں وہاں سلوک وتصوف میں بھی مولانا عاشق الہی میرٹھی، مولانا محمد الیاس بانی تبلیغی جماعت، مولانا زکریا کاندھلوی اور مولانا ظفر احمد تھانویؒ جیسے خلفاء تیار کیے ہیں۔

حوالہ جات

[1]۔ انصاری، حکیم محمد اسلام، ملت اسلام کی محسن شخصیات، ص174، دارالاشاعت کراچی، 2001۔

[2]۔ میرٹھی، مولانا عاشق الہی، تذکرۃ الخلیل ص36، مکتبۃ الشیخ بہادرآباد کراچی

[3]۔ حوالہ بالا، ص32 / ، کاندھلوی، شیخ زکریا، خوان خلیل، کتب خانہ یحیوی، سہارنپور

[4]۔ میرٹھی مولانا عاشق الھی، تذکرۃ الخلیل ص28،

[5]۔ حوالہ سابقہ، ص38

[6]۔ ملت اسلام کی محسن شخصیات، ص174

[7]۔ ندوی، محمد ثانی القصیدۃ المدحیۃ۔ ص91 المکتبۃ المدنیۃ اردو بازار لاہور 1984

[8]۔ تذکرۃ الخلیل، ص39

[9] ۔حوالہ بالا، ص40

[10] ۔حوالہ بالا، ص40

[11] ۔حوالہ بالا، ص42

[12] ۔حوالہ بالا، ص43

[13] ۔حوالہ بالا، ص43

[14] ۔جس کی مکمل تفصیل تذکرۃ الخلیل، ص500 پر دیکھی جاسکتی ہے

[15] ۔تذکرۃ الخلیل، ص68

[16] ۔ملت اسلام محسن شخصیت، ص175

[17] ۔تذکرۃ الخلیل، ص69

[18] ۔حوالہ بالا، ص72

[19] ۔حوالہ بالا، ص73

[20] ۔حوالہ بالا، ص74،اس کی مزید تفصیل خوان خلیل از شیخ زکریاؒ میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

[21] ۔حوالہ بالا، ص74

[22] ۔حوالہ بالا، ص75

[23] ۔حوالہ بالا، ص75

[24] ۔حوالہ بالا، ص77

[25] ۔حوالہ بالا، ص80

[26] ۔میرٹھی مولانا عاشق الٰھی، تذکرۃ الخلیل، مکتبۃ الشیخ بہادرآباد کراچی

[27] ۔تذکرۃ الخلیل، ص88

[28] ۔حوالہ بالا، ص88

[29] ۔حوالہ بالا ص92